ہند عبدالحلیم محفوظ*

اقبال اور شوقی کی شاعری میں موسم بہار: ایک تقابلی مطالعہ

Abstract:

The Idea of Spring in the Poetry of Iqbal and Shawqi: A Comparative Study

In spite of their separate homelands and distances, the two poets Muhammad Iqbal and Ahmad Shawqi belong to the same generation. They were born in the last quarter of the 19th century and their poetic production continued beyond the first third of the 20th century. They were educated in the West; Iqbal studied in London, Shawqi in France. Both of them occupy a prominent place in their homelands; Iqbal is undisputedly the poet of the Orient while Shawqi is unanimously the prince (Emir) of the Arab poets. Iqbal calls for a different poetic horizon, mixing spectra of the elements of nature and its beautiful scenery as well as the accurate expressions in a colorful form of the subcontinental environment. Shawqi, on his part, reacted in many of his poems to the elements of nature, his poems are the fruit of hot temper and explosive mood where reason does not interfere to spoil the poetic image. His poetry is inundated with images like the Nile that embraced the ancient Egyptian civilization, nocturnal life, the crescent and vernal flowers.

Keywords: Iqbal, Shawqi, nature, imagery, spring, Arabic poetry, Urdu poetry.

یہ مقالہ اردو اور عربی ادب کے دو بڑے شاعروں کے یہاں فطرت کے عناصر کی وضاحت کا مطالعہ کرتا ہے۔

علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) کا شمار برصغیر پاک و ہند کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مشرقی شاعر ہیں۔ دوسرے شاعر احمد شوقی ہیں (۱۸۶۸ء-۱۹۳۲ء)، جنھیں شاعروں کے امیر کا نام دیا گیا تھا۔ یہ دونوں شاعر ایک ہی دور سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں کا تعلق بیسویں صدی کی پہلی تہائی سے ہے۔

اس مقالے کا اصل موضوع دونوں شاعروں کے ہاں موسمِ بہار کا ایک تقابلی مطالعہ ہے۔ یہ مطالعہ اقبال کی کتاب بالِ جبریل کو مدنظر رکھ کر کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کو اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ جہاں ایک طرف اس میں نیچر کے کئی ایک عناصر موجود ہیں تو دوسری طرف اس میں اقبال کے خیالات ونظریات اور سفرِ سپین وفلسطین کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ''مسجد قرطبہ'' ہے۔ ساتھ ساتھ دیگر اسلامی وتاریخی یادگاریں بھی۔ ان سب یادگاروں میں فطرت اور نیچر کے عناصر موجود ہیں لہٰذا بالِ جبریل فطرت سے متعلق بہترین شعری مجموعوں میں سے ایک ہے۔ جب کہ احمد شوقی کی شاعری کا مطالعہ ان کے مکمل کلام سے کیا جائے گا، جس کا نام شوقیات ہے۔ شوقیات دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد کے دو حصے ہیں۔ احمد شوقی کا تعلق ''بعث'' کے مشہور علما سے تھا۔ ''ان کا ادبی اسکول ایک مخصوص تکنیکی انداز پر قائم ہے جس میں شعری عناصر کا فنکارانہ استعمال، موسیقیت، ہیئت اور تکنیکی حوالے سے کلام میں پختگی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اور پرعظمت فکری مواد بھی شامل ہے[۱]۔'' دونوں شعرا ایک دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے عہد میں پوری اسلامی دنیا پر غیر ملکی مسلط تھے۔ برصغیر پاک و ہند، مصر اور دیگر عرب اسلامی ممالک، برطانوی نوآبادیات تھے۔ سعد زغول اور شوقی، مصر میں جب کہ علامہ محمد اقبال برصغیر پاک وہند میں تھے۔ اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کا خواب دیکھا جو قیامِ پاکستان کی صورت میں شرمندۂ تعبیر ہوا۔ دونوں شاعروں کی شاعری میں مغربی اور مشرقی تہذیب وتمدن کے درمیان موجود امتیازات کا بیان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے ملک کے ساتھ ساتھ پوری مسلم دنیا کو درپیش مسائل اور ان کے حل پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

سکسینہ کے بقول: ''ڈاکٹر محمد اقبال موجودہ زمانے کے فلسفی شعرا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اُن کی شہرت حدودِ ہندوستان سے نکل کر بلادِ اسلام افغانستان وایران بلکہ یورپ اور امریکا تک پہنچی۔ وہ عصر حاضر کی ایک زبردست اور نمایاں ہستی ہیں اور اُن کا نام اور کلام شعرائے حال کی صف اولین میں بھی سب سے آگے ہے[۲]۔'' علامہ اقبال ایک اہم ادبی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جس نے اردو ادب، خاص طور پر شاعری پر اثر ڈالا ہے۔ ان کے کارنامے اردو اور فارسی شعری مجموعوں کی صورت میں موجود ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ان کی نثری کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان کی کتابوں کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ہوا ہے۔ عربی زبان ان زبانوں میں سے ایک ہے۔

شوقی شرکسی، ترکی اور عرب خون سے مخلوط خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ضلع ''حنفی'' پاپولر قدیم قاہرہ میں رہتے تھے۔ ان کی ولادت کا سال ۱۸۶۸ء ہے جب کہ بعض ذرائع کے مطابق ان کی ولادت کا سال ۱۸۷۰ء ہے۔ وہ ابتدائی تعلیم سرکاری اسکولوں میں حاصل کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء میں قانون کی فیکلٹی میں داخل ہو گئے۔ دو سال بعد اسی فیکلٹی کے شعبہ

ترجمہ میں فرائض سرانجام دینے لگے۔ دیوان خدیو توفیق میں انھوں نے ایک ترجمان کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد میں وہ محکمہ ترجمہ کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصری حکومت کے اخراجات پر فرانس چلے گئے جہاں انھوں نے چار سال قیام کیا۔ اس چار سالہ قیام نے ان کے ذہن پر بہت زیادہ اثرات مرتب کیے۔ فرانسیسی فن وادب کے ساتھ ساتھ یورپی تہذیب کا بھی انتہائی باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔ یہیں سے ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا اور اپنا پہلا ڈرامہ ''علي بيك الكبير'' تحریر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی نظموں کا ترجمہ کیا[۳]۔

احمد شوقی کے کلام کی نمایاں خصوصیات میں موسیقیت، فکری گہرائی، جذبے کی شدت، معنوی تہ داری اور روایات کی پاسداری شامل ہیں۔ انھی خصوصیات کی وجہ سے وہ شاعروں کے امام کہلائے[۴]۔ ۱۹۲۷ء میں تاجِ شاعری سے سرفراز کیے گئے۔ شوقيات کے علاوہ انھوں نے چھ منظوم ڈرامے بھی لکھے جن میں ''كلوپاترا''، ''ليلىٰ مجنون''، ''قمبيز''، ''علي بيك الكبير''، ''عنتره''، اور ''الست ہدى'' شامل ہیں۔ انھوں نے نثری ناول بھی لکھے جن میں عذراء الهند، فرعون الأخير، لادياس اور رقه الآس شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک نثری کتاب ''أسواق الذهب'' ہے۔

اقبال کی شاعری میں نیچر کے عناصر

فطرت ہر شاعر کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے کیوں کہ شاعر ہمیشہ سے حسن وخوب صورتی کا شائق ہوتا ہے۔ لہٰذا فطرت ہر عہد، ہر وقت اور ہر مقام پر شاعروں کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ جذبات و احساسات کو تخیل کے قالب میں ڈھالنے کے لیے شاعری بہترین ذریعہ ہے۔ فطرت کے حسین مناظر کی تصویر کشی اقبال نے انتہائی مناسب اور خوب صورت الفاظ کے ذریعہ کی ہے۔ اقبال اور احمد کی شاعری پڑھنے سے پہلے اردو اور عربی ادب میں نیچرل شاعری کے تصور کی وضاحت ضروری ہے۔ اردو میں نیچرل شاعری سے مراد ''مضامین حیات کو شعر میں بغیر کسی مبالغہ، تصنع، اور تکلف کے پیش کیا جائے نیز پرانی طرز کے حسن وعشق سے باہر نکل کر مناظر قدرت کو شاعری کا حصہ بنایا جائے۔ لہٰذا آزاد اور حالی سمیت دوسرے شعرا نے بھی کائنات اور مناظر قدرت کو اپنی نظموں میں پیش کیا[۵]۔'' مولانا الطاف حسین حالی مقدمہ شعروشاعری میں لکھتے ہیں:

> بعض حضرات تو نیچرل شاعری، اس شاعری کو سمجھتے ہیں جو نیچریوں سے منسوب ہو یا جن میں نیچریوں کے مذہبی خیالات کا بیان ہو۔ بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ نیچرل شاعری وہ ہے جن میں خاص مسلمانوں کی یا مطلقاً کسی قوم کی ترقی یا تنزّل کا ذکر کیا جائے۔ مگر نیچرل شاعری سے یہ دونوں معنی کچھ علاقہ نہیں رکھتے نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً اور معنیً دونوں حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو[۶]۔

لیکن بعد میں شرر نے نیچرل شاعری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

جس میں کوئی خیال بہت سادگی سے بندکیا گیا ہے یا جس میں سوزوگداز، جوشِ دل یا حسنِ دل فریب کی سچی تصویریں نظر آئیں، نیچرل شاعری ہے[۷]۔

عربی ادب کے ڈاکٹر جودت رکابی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نیچرل شاعری ایک ایسی شاعری ہے جو فطرت کی نمائندگی کرتی ہے اور جس میں ایسے قدرتی ماحول کو پیش کیا جائے جس میں شاعر کے تخیل میں گہرائی اور عمدگی ہو[۸]۔

رکابی مزید وضاحت کرتے ہیں:

ہمارے ادب میں اسی نوعیت کی شاعری نئی ہے جو مغربی ادب سے آئی ہے۔ ایسی شاعری اٹھارویں صدی کی آخری تہائی میں رومانیت کے علم برداروں نے تخلیق کی۔۔۔۔ رومانیت پسندوں نے فطرت کو محبوب اور دوست سمجھا۔ وہ نیچرل شاعری میں اپنے جذبات اور دلی کیفیات کا اظہار کرنے لگے[۹]۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ''فطرت ہمیشہ عرب شاعروں کے لیے بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے اور ان کے آباواجداد نے اسلام سے پہلے اپنی نظموں میں فطرت پر طبع آزمائی کی۔ اموی دور کے شاعر اپنے باپ دادا کے انداز شعوری طور پر اپناتے تھے۔ اکثر شعرا اپنے گھر بار کا ذکر زیادہ کرتے تھے۔ خاص کر ان کی شاعری میں صحرا کی خوب صورتی اور اس سے ملتے جلتے مضامین اپنے کلام کا حصہ بناتے تھے ان کی شاعری میں عہدِ رفتہ کی محبت کی یادیں بھی موجود ہیں[۱۰]۔''

اگر ہم اقبال کی شاعری کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی بیشتر نظموں کی بنیادی خصوصیت ''فطرت'' ہے۔ علامہ ابو الحسن علی الندوی ان کے متعلق لکھتے ہیں: ''اقبال کی شخصیت چار عوامل سے مل کر بنی ہے۔ ان عوامل میں ایمان، قرآن مجید، اپنے آپ کو پہچاننا اور اپنی قدر و قیمت اور وقار کو برقرار رکھنا شامل ہیں۔ جب کہ چوتھے عنصر کے بارے میں ندوی لکھتے ہیں:

چوتھا عنصر جو ان کی شخصیت کی ساخت اور اس کی شاعری کے اثر و رسوخ کی طاقت اور نظریات ومعنوں کی عظمت ہے جو کتابوں کا مطالعہ کرنے اور پڑھنے تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ پردہ کے بغیر سحر سے متعلق تھا۔ اللہ سے دعا مانگتا ہے۔ اپنی تکالیف کا شکوہ کرتا ہے۔ اسی دعا اور شکوے کی بدولت سحر ہوتے ہی نئی زندگی اور نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اپنے دوستوں اور قارئین کے لیے نظم لکھتے ہیں جس میں اپنے قارئین کو وہ نئی قوت، نئی زندگی اور نئی روشنی کا پیغام دیتے ہیں کیوں کہ اس سحر کی وجہ سے ہر روز تجدید ہو جاتی ہے اور اسی طرح ان کی شاعری کی تجدید بھی ہو جاتی ہے[۱۱]۔

اقبال ''سحر خیزی'' کی اہمیت سے بھی بہ خوبی واقف تھے۔ وہ ان لمحات کو ایک قیمتی سرمایے سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر حضرات، سائنس دان اور علما سبھی اس بات پر متفق ہیں۔ اقبال کی طرح عطار، رومی اور غزالی بھی سحر خیزی کے سحر سے آزاد نہ تھے کیوں کہ وہ بھی سحر خیزی کی حکمتوں سے واقف تھے[۱۲]۔ وہ اپنی دعا کے ذریعے سے سحر خیزی کی حکمتوں کو نوجوانوں

کے دلوں میں منتقل کرنا چاہتے ہیں تا کہ ان کے دلوں میں یہی سوز پایا جائے جو عطار، رومی، غزالی اور اقبال کے دل میں موجود ہے۔ انھوں نے اپنی بہت سی نظموں میں سحر انگیزی کو موضوع بنایا ہے۔ اپنی ایک رُباعی میں کہتے ہیں:

چمن میں رختِ گُل شبنم سے تر ہے
سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ سَحَر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے[۱۳]

یہ دوسری رُباعی ہے جس میں اقبال نوجوانوں کو سَحر کے جادو کی خوشی سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں دعا دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! میری یہ خواہش ہے کہ میری آہِ سحر سے ان شاہین بچوں کو بال و پر عطا کر۔

جوانوں کو مری آہِ سَحَر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے[۱۴]

اقبال نے فطرت کے عناصر کو اپنے فلسفے کے مطابق ڈھالا۔ ان کی نظم ''ذوق وشوق'' اسی نوعیت کی ایک بہترین نظم ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۱ء میں فلسطین کا دورہ کیا اور یروشلم میں منعقدہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔ وہ برِصغیر پاک و ہند کے نمائندے تھے۔ فلسطین کی فطرتی خوب صورتی نے ان کے جذبات و احساسات میں تلاطم برپا کیا۔ ان فطرتی مناظر نے ان کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے اپنے سینے میں پوشیدہ محبت کا اظہار کر ڈالا کیوں کہ فطرتی مناظر کا حسن ہمیشہ پوشیدہ رازوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ پیاروں کی یاد دل میں تازہ ہوئی اور دینِ اسلام کی محبت ان کے جذبات پر غالب ہوئی جس کا اظہار انھوں نے اپنی نظم ''ذوق وشوق'' سے کیا۔ ملاحظہ ہو:

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صُبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نُور کی ندّیاں رواں
حُسنِ اَزل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار سُود ایک نگاہ کا زیاں
سُرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اِضم کو دے گیا رنگ برنگ طَیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دُھل گئے
ریگِ نواح کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں

آگ بُجھی ہُوئی اِدھر، ٹُوٹی ہُوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں[۱۵]

''ذوق وشوق'' کے علاوہ ''مسجد قرطبہ'' اور ''ہسپانیہ'' کے عنوان سے فطرت کے بارے میں جو نظمیں کہی، ان میں بھی اپنے شاندار ماضی کی بازگشت اور مسلم حکومت کے نقوش کی ترجمانی موجود ہے۔ نظم ''ہسپانیہ'' کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحَر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں[۱۶]

علامہ اقبال ماضی کی قدروں اور اس کی تہذیب وثقافت، عہدِ رفتہ اور ماضی کی عظمت اور جلال و جمال کو اپنی سرشت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ ثقافت کا معیار جلال و جمال کی قوت پر ہے۔ ذوق وشوق اور قول وفعل میں توازن ہونا ہی تہذیب ہے۔ توازن کو سمجھنے کے لیے اقبال کی نظم ''جلال و جمال'' سے دو اشعار پیشِ خدمت ہیں:

مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجدہ ہیں قُوّت کے سامنے افلاک
نہ ہو جلال تو حُسن و جمال بے تاثیر
نِرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک[۱۷]

کبھی کبھی اقبال کی شاعری ذاتی یا خود مختار ہوسکتی ہے۔ اس میں فطرت اور فطرت کے ساتھ بات چیت کا تصور ہوسکتا ہے۔ یہ بات چیت کبھی عناصرِ فطرت کے درمیان تو کبھی شاعر اور فطرت کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل نظم میں بڑی خوب صورتی سے فطرت کی عکاسی کی گئی ہے:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مُرغِ چمن
پھُول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
برگِ گُل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بَن

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن[۱۸]

اقبال کے تخیل کا انحصار زندہ اور خاموش فطرت پر ہے۔ اقبال اپنی نظموں میں فطرت کو ایک زندہ ہستی کی طرح پیش کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چاند، ستارے اور سورج گفتگو کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو کم از کم سب کچھ سنتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی کی نظم ''اذان'' ملاحظہ ہو:

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سحَر نے
آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مرّیخ، ادا فہم ہے تقدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زُہرہ نے کہا، اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس کرمکِ شب کور سے کیا ہم کو سروکار![۱۹]

اقبال نے اپنی شاعرانہ زبان کو تشکیل و ترتیب دینے کے لیے فطرت کے عناصر کا استعمال کیا، اپنے جذبات و تجربات کو موثر طریقے سے لوگوں تک پہنچایا۔ انھوں نے اپنے سینے میں موجود خدشات (جس سے ایک مسلمان دوچار ہو سکتا تھا) کو شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ انھوں نے بے زبان فطرت کو زبان دی۔ جس کا مقصد زمین، درخت، پھول، دریا، پہاڑ، آسمان، ستارے، ہوا، بارش وغیرہ کو اپنا ہم نوا بنانا تھا۔ اسی طرح اقبال نے فطرت کے زندہ عناصر (مثلاً جانور، کیڑے اور پرندوں) کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ان عناصر کو زبان دے کر ان سے ایک اصلاحی کام لیا گیا۔ اقبال نے اپنے کلام میں انھی کرداروں کو پیش کر کے بچوں کی اصلاح کے لیے کئی موثر نظمیں تخلیق کیں۔ بہت سے فلسفی اور ادباء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اقبال نے ان کرداروں سے پوری دنیا کے بچوں کے لیے اخلاقی اور اصلاحی ادب تخلیق کیا۔ محی الدین صالح کے مطابق:

> اقبال بچوں کی نفسیات سے بخوبی آگاہ تھے، انھیں معلوم تھا کہ بچے کس قدر جانوروں سے محبت کرتے ہیں۔ شعر جب تخلیقی زبان سے پُر ہو اور یہ جانوروں کی زبانی بیان ہوتا ہے تو یہ بچوں کے دل و دماغ پر بہت زیادہ اثر کر جاتا ہے۔ بچے کلامِ موزوں کی آہنگ کو پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کی توجہ اس اصلاحی کلام کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور بچوں کے جذبات اس مقصد کی جانب گامزن ہو جاتے ہیں جس کو حاصل کرنے کے لیے اقبال نے شاعری کا سہارا لیا تھا[۲۰]۔

ان نظموں میں ''شیر اور خچر''، ''چیونٹی اور عُقاب''، ''عُقاب''، ''ایک مکڑا اور مکھی''، ''ایک گائے اور بکری''، ''پروانہ اور جگنو'' وغیرہ شامل ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اقبال نے یہ تمام نظمیں بچوں کے لیے لیے لکھی ہیں، جس کا بنیادی مقصد وعظ و نصیحت اور اخلاقی اصلاح تھی، نظم ''چیونٹی اور عُقاب'' سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

چیونٹی
مَیں پائمال و خوار و پریشاں و دردمند
تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟
عقاب
تُو رِزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
مَیں نُہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں![۲۱]

اس نظم میں اقبال نے فطرت کو انسانیت کی حد تک زندہ کر دیا ہے۔ چیونٹی، عقاب سے شکایت کرتی ہے کہ میں اپنے رزق کی تلاش میں کیوں سرگرداں ہوں، جب کہ تُو آسمان میں محو پرواز ہے؟ عُقاب نے اپنے جواب میں کہا کہ اس میں خدا کی حکمت ہے۔تو اپنا رزق اس مٹی میں تلاش کرتی ہے لیکن میری نظر میں آسمان ہے۔''شاہین'' کی ایک خاص منزلت ہے جس کی وجہ سے وہ فطرت کا ایک اہم عنصر بن جاتا ہے۔ انھوں نے ایک نظم ''شاہین'' کے عنوان پر لکھی ہے۔''شاہین'' کو اقبال نے مشرق کی پہچان اور ایک آزاد و خودمختار شخص کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ یعنی شاہین کو اس مردِ قلندر کی صورت میں پیش کیا گیا جو فطری طور پر آزاد ہو، اللہ کے عشق میں مست اور دنیاوی حاکموں سے بے نیاز ہو۔ اس حوالے سے نظم ''شاہین'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

کیا میں نے اُس خاک داں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں مَیں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ[۲۲]

فلسفۂ اقبال کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی توجہ ان تصورات پر مرکوز کریں جو اسلامی تہذیب وثقافت کی اساس ہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر مسلمان قوم، فرنگی تہذیب کی پیروی کرے گی تو پھر ایک صالح اور مثالی معاشرہ تعمیر نہ ہو سکے گا۔ اقبال نے اس بات کی طرف کئی ایک نظموں میں اشارہ کیا ہے جس میں ''ایک نوجوان کے نام'' اہم ہے۔ علامہ اقبال اس نظم میں تہذیب فرنگ، شکوہ خسروی اور استغنا، فقر سلطانی اور شاہین کے ذریعے معاشرے کا مثالی فرد بننے کا پیغام دیا ہے:

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں
کہ پایا مَیں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سُلطانی کے گُنبد پر
تو شاہیں ہے، بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں[۲۳]

اقبال کے خیال میں معاشرے اور ماحول سے تہذیب وثقافت متاثر ہوتی ہے۔ پہلے ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر وتشکیل ضروری ہے اور ایسا کرنے کے لیے صحت مند افراد کی ضرورت ہے۔ اقبال اپنی نظم ''جاوید کے نام'' میں صرف اپنے بیٹے جاوید سے نہیں بلکہ پوری قوم کے نوجوانوں سے مخاطب ہیں:

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ[۲۴]

شوقی کی شاعری میں نیچر کے عناصر

شوقی کی آنکھیں، کائنات کی عظمت کا تصور محسوس کرتے ہوئے، کائنات کے عروج کو مدنظر رکھتی ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خالق اور مخلوق کے تعلق کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں:

> قدرت ہمارے سامنے نمودار ہوئی ہے اس لیے خالق کی عظمت پر غور کرنے کے لیے رک جاتے ہیں۔ خالق کی تخلیق کی وجہ سے آپ کے آس پاس آسمان و زمین لرز اٹھے ہیں اور یہ عظمت قرآن مجید کے قاری کے لیے سورت الفاتحہ کی حیثیت سے کم شان والی نہیں ہے۔ یہ خدا کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے اور اس کے لیے علمائے کرام کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی اس میں شک کرتا ہے، وہ اللہ کے عجائبات دیکھے تاکہ اس کا یہ شک دور ہوجائے[۲۵]۔

شوقی کی نیچرل شاعری کو اقبال کی نیچرل شاعری کی طرح دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی زندہ اور خاموش فطرتی عناصر۔ زندہ فطرت جانوروں اور پرندوں کی شکل میں ہے۔شوقی نے خاموش فطرت کے عناصر کا اظہار کئی نظموں میں کیا ہے۔ دورانِ سفر انھوں نے جن علاقوں کو دیکھا، ان کو بہ کثرت اپنی شاعری میں جگہ دی۔ مثلاً مصر میں سوفینکس(Great Sphinx of Giza)، پیرامڈز(pyramids)، الازہر(Al-Azhar University)، جزیرے، گیزا (Giza۔ایک شہر کا نام)، اسوان(Aswan۔ایک شہر کا نام)، نیل(The Nile)،صحرائے عرب(Arabian Desert)، ابو قیر(Abu Qir۔ایک شہر کا نام)،توت عنخ آمون(Tutankhamun) وغیرہ اور مصر کے علاوہ سویسرا کے قدرتی مناظر، آستانہ جاتے ہوئے پہاڑوں، بسفورس میں صبح کے وقت سورج کے طلوع ہونے کا منظر، دمشق، اندلس اور ٹوکیو کے قدرتی مناظر اور پیرس میں بوولویا(Parc de Belleville) کو اپنی شاعری میں جگہ دی[۲۶]۔ شوقی جب خاموش فطرت کی وضاحت کرتے ہیں تو اس خاموش فطرت کی حدود سے انسانیت کی حدود تک جا نکلتے ہیں۔ اپنی نظم ''توت عنخ آمون'' میں وہ تصور کرتے ہیں کہ سورج ایک ایسا آدمی ہے جو ان کے ساتھ بات چیت کرتا ہے۔ زیادہ تر شعرا مدح یا تعریف میں

فطرت کے عناصر کا بھرپور استعمال کرتے ہیں جیسے سورج، چاند لیکن شوقی ان سے مختلف ہیں کیوں کہ وہ سورج کو ایک انسان تصور کرتے ہیں اور سورج سے کہتے ہیں کہ مجھے ماضی کی باتیں بتا۔ اس کے بعد انسانی فطرت کے تضادات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ انسان ہی انسان کو مارتا ہے۔ یہ ایک ایسی بلی کی طرح ہے جو اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے۔ نظم ''توت عنخ آمون'' میں وہ کہتے ہیں:

> اے سورج! حالات کے بارے میں بتانے کے لیے رک جا۔ تم سے بہتر کوئی نہیں جو ہمیں حالاتِ ماضی سے آگاہ کر سکے کیوں کہ تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، تم زمین پر مرنے والوں کے لیے جنت میں گواہ ہو۔ جس طرح تم بچوں کی پیدائش کے گواہ ہو، اسی طرح تم بزرگوں کی موت کے بھی گواہ ہو، تم نے زمین کی تباہی اور تعمیرِ نو کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ جیسے بلی بھوک کے خوف سے اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے اور پھر مزید بچوں کی پیدائش کا انتظار کرتی ہے کہ ان کو کھائیں۔[۲۷]

اس نظم میں سورج کی نظر سے دنیا کی ایک بُری تصویر پیش کی گئی ہے جو منفی پہلو ہے۔ آگے وہ اس نظم میں (منظر الشروق والغروب من أعلی سفینه جیسے) بہترین اور اچھے پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں:

> جیسے ہی سورج طلوع ہوتا ہے، تاریکی روشنی میں بدل جاتی ہے؛ یہ کائنات کو بدل دیتی ہے جیسے ایک میاں بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح سورج کی موجودگی اور بارش دونوں ہی پودوں کی زندگی کا ذریعہ ہیں[۲۸]۔

شوقی نے ''بولونیا'' کا ذکر بھی اپنے کلام میں کیا۔ جس طرح پہلے سورج کا تذکرہ کیا، یہاں بھی شاعر سورج سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ سورج کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

> اے بولن پارک! ہمارے درمیان خوب صورت معاہدہ اور یادیں ہیں۔ میں آپ کے زیرِ سایہ محبت کا وقت گزار چکا ہوں۔ کیا یہ موقعہ پھر سے میری زندگی میں آئے گا؟ یہ ایک ایسا خواب ہے جو شرمندہ تعبیر ہو گا لیکن اس کا حصول مشکل ہے۔ اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جاتا ہے اور یہ خوب صورت یادیں واپس آجائیں تو کیا میری جوانی واپس آسکتی ہے؟[۲۹]

کئی نظموں میں شوقی نے عناصرِ فطرت میں سے پہاڑوں کا حال بیان کیا، جس کو انھوں نے ایک سے زیادہ نظموں میں بیان کیا، نظم میں ''بلدة المؤتمر لناظرها فی بهجة مناظرها'' کے ذریعہ شوقی نے پہاڑ کی رنگینی کو انتہائی خوب صورت انداز میں پینٹ کیا ہے۔ انھوں نے پہاڑ کی چوٹی کی اونچائی کا ذکر کیا ہے اور بادل و پہاڑ کی سرگوشیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ پہاڑ پر اگنے والے پودوں اور مترنم آبشاروں کا ذکر بھی ان کے کلام میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

> پہاڑوں کی جسامت ایک دوسرے مختلف ہے یعنی چھوٹے اور بڑے۔ پہاڑوں کا رنگ برف سے ڈھکنے کی وجہ سے سفید اور پودوں کے سبز رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان پر بادلوں کا سایہ ہے، ان پہاڑوں کا استحکام اور ثبات مختلف ہیں، کچھ پتھر بھی نیچے گزرنے کی تنبیہ دیتے ہیں، یہ پہاڑ جیسے اندھے اور گونگے آدمی ہیں، رات کے وقت ستارے اس کے اردگرد چمکتے رہتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان میں موتی جیسے چمکدار پتھر موجود ہیں[۳۰]۔

محمد عبد المطلب کے مطابق:

فطرت کی دو اقسام ہیں، حقیقی (اصلی) اور غیر حقیقی (عارضی)۔ حقیقی (اصلی) فطرت وہی ہے جو قدرت کی حقیقی کرشموں کی ترجمانی کرتی ہے جس نے شاعر کے حواس پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ دوسری غیر حقیقی (عارضی) فطرت ہے جس کے لیے حقیقی فطرت میں مثالیں ڈھونڈی جاتی ہیں[۳۱]۔

شوقی کی شاعری میں حقیقی (اصلی) فطرت کی تصویریں موجود ہیں مثلاً موسم بہار، بحیرہ روم، بولویا، اور جہاز کے اوپر چاند کے طلوع ہونے کا منظر یا طلوع و غروب آفتاب، کھجور، چاند وغیرہ۔ جب کہ غیر حقیقی (عارضی) فطرت بھی ان کی زیادہ تر نظموں میں موجود ہے جیسے نظم ''دمعة وابتسامة''۔ شوقی نے یہ نظم خدیو عباس ثانی (۱۸۷۴ء۔۱۹۴۴ء) کی ماں کی ترکی سے واپسی پر لکھی مبارکبادی اور مقتول شہزادے امیر عبدالقدیر کے لیے اظہار افسوس پر لکھی۔ طلوع و غروب آفتاب کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ شوقی لکھتے ہیں:

یہاں آؤ کتنا منفرد سورج ہے۔ آپ کو سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ، سمندر کی طرح بہت سخت ہیں، انھیں ان بُرے لوگوں کو دینے سے نہ روکو، آپ سورج کی مانند ہیں جو طلوع کے وقت امید دیتا ہے اور غروب آفتاب کے وقت دیکھنے والوں کو خوفزدہ کرتا ہے[۳۲]۔

شوقی کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جب بھی فطرت کی تصویر کشی کرتے ہیں تو تمام جزئیات کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس نظم میں ''ایھا النیل'' کے تذکرے سے دریائے نیل کی وفا[۳۳]، فرعون کی یاد، نیل میں خوب صورت دوشیزہ کو دلھن بنا کر پھینکنے پر نیل کے پانی کا دوبارہ پورا ہونا، یہ سب واقعات آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

یہ تقریب پورے مشرق کی خوشی ہے۔ اس جشن میں فرعون ایک خوب صورت دوشیزہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ جشن کی رسومات کی ادائیگی کے وقت، موت کی بو اس جگہ غلبہ پاتی ہے۔ لوگ اس پروقار تقریب کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ لڑکی طویل سوچ و بچار کے بعد اپنی قربانی دینے کے لیے راضی ہو جاتی ہے۔ یہ اس عظیم تقریب کی یادگار ہے[۳۴]۔

جب ہم شوقی کی زندہ فطرت کی شاعری پڑھتے ہیں تو محسوس ہوا ہے کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی زبانی سبق آموز اور متاثر کن کہانیاں بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان سبق آموز اور متاثر کن کہانیوں میں ''پنچ تنتر: كليلة ودمنة''، ''ضيافة قطة''، ''الصياد والعصفور''، ''البلابل التى رباهاالبوم''، ''الديک الهندي والديک البلدي''، ''العصفوروالغدير المهجور''، ''الافعى النبيلة والعقربة الهندية''، ''السلوقى والجواد''، ''فار الغيط وفار البيت''، ''الشاة والغراب''، ''الاسد و وزيره الحمار''، ''الاسد والثعلب''، ''القرد والفيل''، ''سليمان والهدهد''، ''سليمان والطاووس'' وغیرہ شامل ہیں۔ ''الثعلب الذي انخدع'' میں سے ایک مختصر کہانی پیش خدمت ہے:

ایک دن لومڑی نے گاؤں کے ایک فریادی کو فریاد کرتے ہوئے سنا: اے لومڑی، اس نے کہا: یہ میرا فخر ہے میں ایک مثال (ضرب المثل) بن گیا ہوں۔ اگر میں ان گاؤں والوں کے پاس آتا تو میں ان کی حیرت بڑھاتا اور شاید بدلے میں میں ایک مرغی اور ایک خرگوش ذبح کرتا۔ جب لومڑی گاؤں پہنچی تو اس نے [لوگوں سے] گستاخانہ انداز میں باتیں کیں۔ ایک شخص نے لومڑی کو کان سے پکڑا اور کتے کو کھیلنے کے لیے دے دیا، لہٰذا کسی پر بھی بھروسہ نہ کرو، جو مکر کا ارادہ رکھتا ہو، شاید لومڑی کو بیوقوف بنایا گیا[۳۵]۔

کیڑوں کی دنیا میں شوقی نے ''مملکتہ النحل'' کو منتخب کیا۔ شوقی نے اس شاندار اور منظم سلطنت کے ذریعے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ ''مملکتہ النحل'' کے تمام شہریوں کی ساعت، اطاعت، انجینئرنگ اور شاندار مہارت پر انھوں نے روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ اقبال اور شوقی نے یکساں انداز میں فطرت کا خاکہ کھینچا ہے۔ شوقی نے بھی پرندوں اور جانوروں کی زبانی منظوم کہانیاں پیش کی ہیں اور اقبال نے بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اقبال نے یہ کہانیاں بچوں کے لیے لکھیں۔ جب کہ شوقی نے شوقیات کے چوتھے حصے کے اختتام پر بچوں کا دیوان بہ عنوان ''بچوں کی خصوصی نظمیں'' لکھا۔ اسی دیوان سے بچوں کے ادب اور ثقافت پر مبنی نظم ''القطتہ والنظافتہ'' ملاحظہ ہو:

میری بلی ایک دوستانہ جانور ہے، گھر سے باہر نہیں نکلتی، چوہوں کو پکڑتی ہے، کوئی چوہا ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ گھر کی چھت پر جا سکے، بلی کھال سے بنا لباس پہنتی ہے[۳۶]۔

اقبال اور احمد شوقی کی شاعری میں بہار

موسم بہار میں ماحول صاف اور آسمان پر نیلے رنگ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ موسم معتدل رہتا ہے۔ ہریالی کی وجہ سے باغات سبز قالین جب کہ گندم کے کھیت زمرد سے بنے فرش کا منظر پیش کرتا ہے۔ ان تمام مناظر کو دیکھ کر شاعر کے دل میں گدگدی ہوتی ہے اور وہ ان مناظر کو پیش کرنے کے لیے نظم گوئی پر مائل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس موسم سرما میں پہاڑ اور زمین برف سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ ہر طرف تاریکی اور آسمان بادلوں کی لپیٹ میں ہوتا ہے۔ ٹھنڈ کی وجہ سے سورج کی حرارت محسوس نہیں ہوتی۔ نہ ہی پرندوں کی خوب صورت اور مترنم آوازیں سنائی دیتی ہیں اور نہ ہی وہ محو پرواز نظر آتے ہیں۔ باغات پھل پھول سے خالی نظر آتے ہیں۔ ایسا ماحول شاعر کے دل میں اداسی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ شاعر جب موسم بہار میں سیر کو نکلتا ہے تو گل و بلبل، رنگینی اور ہر طرف پھیلی ہوئی سرسبزی و شادابی اس کے دل کو بھا جاتی ہے۔

اقبال کے ہاں بالِ جبریل کی نظموں اور غزلوں میں بہار یہ مضامین کثرت سے ملتے ہیں لیکن میں یہاں صرف ''ساقی نامہ'' کا تذکرہ کروں گی۔ اس نظم کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے ''بہار'' کے نام سے کیا ہے جب کہ علامہ ابوالحسن ندوی (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء) نے ''رسالہ الساقی'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ میری رائے میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے

ترجمہ کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اقبال نے اس نظم کا آغاز موسم بہار سے کیا۔ اس نظم میں کل ننانوے اشعار ہیں جن کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس نظم کا پہلا حصہ صرف موسم بہار کے بارے میں ہے۔ جب کہ شوقی دو نظموں میں بہار سے مخاطب ہیں۔ ایک طویل نظم ''الربیع و وادي النیل'' ہے۔ یہ نظم انھوں نے مشہور انگریزی مصنف، ہال کین (Hall Caine۔ ۱۸۵۳ء۔۱۹۳۱ء) [۳۷] کے لیے لکھی تھی۔ دوسری نظم انھوں نے اپنے اعزاز میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں پڑھی تھی۔ اگر ہم قدیم اور جدید عربی شاعری کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یقیناً شوقی سے پہلے کسی شاعر نے بھی موسم بہار پر اتنی بہترین نظمیں نہیں لکھیں۔

اقبال نے ''ساقی نامہ'' میں شعوری اور غیر شعوری، دونوں حوالوں سے بہار کا تذکرہ کیا۔ اگر اس نظم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو اقبال کے کلام میں ایک نئے اور انوکھے پہلو کی نشاندہی ہوسکتی ہے۔ ایک ایسا پہلو جس میں موسم بہار کی ہوا، سر سبز و شاداب وادیاں، درخت اور پھولوں سے بھرا جنگل موجود ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہار کا موسم اپنے ساتھ خوشی، زرخیزی اور زندگی کے عناصر ایک قافلے کی صورت ساتھ لایا ہے۔ پہاڑ کے دامن میں پھولوں کی بکھری خوشبو، کھلے غنچے اور پتھروں سے پانی کے بہنے کا منظر دل فریب دکھائی دیتا ہے۔ بہار موسم کو خوشگوار بناتی ہے، پرندے گھونسلوں سے اڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ چشمے بہنے لگتے ہیں، کہیں عیاں تو کبھی پنہاں۔ پانی مختلف راستوں سے گزر کر اور پتھروں سے ٹکراتے ہوئے ایک مترنم آواز جیسے کوئی ستار بجا رہا ہو یا موسیقی کے دھنوں کی مشق کر رہا ہو، کا باعث بنتا ہے۔ یہ ہم آہنگ موسیقی پیام دے رہی ہے کہ زندگی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے۔ اقبال نے اس نظم کو انتہائی خوب صورت پیرائے میں پیش کیا ہے جس میں ہر پل موسم بہار کی خوب صورتی نظر آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہُوا خیمہ زن کاروانِ بہار
اِرم بن گیا دامنِ کوہسار
گُل و نرگس و سَوسَن و نسترن
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھُپ گیا پردۂ رنگ میں
لہُو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
فضا نِیلی نِیلی، ہوا میں سُرور
ٹھہَرتے نہیں آشیاں میں طیُور
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
سُناتی ہے یہ زندگی کا پیام[۳۸]

موسم بہار شوقی کے کلام کے بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ شوقی اس نظم میں قدیم شعرا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے موسم بہار سے متعلق عام مضامین کو انتہائی خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔ وہ موسم بہار میں پھولوں، کھیتوں، درختوں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہیں اور اس حوالے سے اپنے احساسات بھی قلم بند کیے ہیں۔ انھوں نے چمن میں موجود مختلف پھولوں کی رنگینی اور خوب صورتی بیان کی ہے جس کا آغاز نسترن سے ہوا ہے جو سفید رنگ کا ایک خوب صورت پھول ہے۔ نسترن کی پتیوں پر شبنم کے قطرے چمکتے نظر آتے ہیں۔ یاسمین پھول کی پتیوں کی چمک صبح کی روشنی سے مشابہ قرار دیا ہے۔ انار کے پھول کا رنگ سرخ ہے۔ ایسا رنگ عموماً قصائی پسند کرتے ہیں۔ یہ پھول قصائی کے ہاتھ پر رنگوں کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ بنفشج (violet) پھول قریبی رشتہ دار کے داغِ مفارقت کے تاثر کو ابھارتا ہے۔ وہی غم اس پھول میں چھپا ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بھی شوقی نے نظم میں کیا ہے کہ جلد سے جلد حقیقت قبول کر کے حالات سے سمجھوتہ کرنے میں بہتری ہے۔ اسی طرح خواطر کا پھول بھی غم کی علامت ہے اور شاعر نے اس پر کیفیتِ غم کا اظہار بھی کیا ہے۔ سرو ایک قدآور درخت ہے جسے شوقی نے قیمتی لباس میں ملبوس ایک خوب صورت دوشیزہ سے مشابہ قرار دیا ہے۔ کھجور کے قدآور درخت کو محبوب کی آرائش میں اضافے کا باعث گردانا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> نسرین کا پھول اس کی شاخوں پر شبنم کی طرح ہے جو سپاہی کے سینے پر رکھا ہوا ہے۔ اور یاسمین کا پھول پاکیزگی میں اسی طرح ہے جیسے روادار شخص کا دل۔ اس کی روشنی شاخوں کے درمیان نکلنے والی روشنی سے ملتی ہے جیسے صبح، جلنار کا پھول انگوٹھی کی طرح ہوتی ہے جسے قاتل پہنتے ہیں جب کہ بنفشج کا پھول اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی پیارے سے محروم ہوجاتا ہے۔ خواطر کا پھول ایک ہی وقت میں غم اور کوملتا کو ظاہر کرتا ہے جیسے غم کی کیفیت میں ایک شاعر کے جذبات۔ سرو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے ایک مہنگا لباس پہننے والی لڑکی کی ٹانگیں۔ کھجور کے درخت لمبے، اور سجاوٹی شکل میں نظر آتے ہیں[۳۹]۔

وہاں سنگِ مرمر کی دیوار جیسی فضا ہے۔ بادل شترمرغ کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور آسمان میں محو پرواز ہیں۔ سورج کی سنہری کرنیں ایسے دکھائی دے رہی ہیں جیسے دلھن شادی کے دن سونے کا لباس پہنے ہوئے ہے۔ پانی بھی پارہ سے زیادہ شفاف اور چمک دار دکھائی دے رہا ہے۔ جس جگہ پانی اور سورج کی کرنیں ملی ہوئی نظر آتی ہیں تو یہ منظر نیلوفر[۴۰] کی طرح دکھائی دیتا ہے[۴۱]۔

''ساقی نامہ'' میں اقبال نے ایک شاندار تکنیک استعمال کی ہے۔ یہ تکنیک لفظی ڈرائنگ کی تکنیک ہے۔ نظم پڑھتے ہوئے آپ کے سامنے ایک حیرت انگیز قدرتی آرٹ دکھائی دے گا۔ اقبال نے ایک بہترین فنکار کی طرح موسم بہار کی خوب صورت تصویر پینٹ کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اقبال نے اپنی نظموں میں مستعمل تمام تکنیکوں کو بہتر بنایا ہے۔ قدیم زمانے کے ماہرین عرب کہا کرتے تھے:

بہترین شعر وہ ہے جو قاری کا نقطہ نظر تبدیل کرے۔ لاطینی زبان کے ماہرین نے اس قول میں ترمیم کرکے بتایا کہ شاعری ایک قسم کی ڈرائنگ ہے۔ یاد رکھیں کہ الجاحظ نے کہا تھا کہ شعر اور نظم اور فوٹو گرافی کی فتح تھی ۔۔۔ اور محمد عبدو، جنھوں نے شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا موازنہ آرٹ اور پینٹنگ سے کرتے ہوئے کہا: ''مصوری خاموش شاعری ہے اور شعر ایک ڈرائنگ ہے''[۴۲]۔

اقبال نے پہاڑ سے پانی کے بہاؤ کی رفتار کو بیان کیا ہے جو اچھلتی پھسلتی مختلف راستے اختیار کرتی ہے۔ سخت پتھر سے ٹکراؤ کی صورت میں اس پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ نظم کے مصرعوں میں ایسی ہم آہنگی ہے گویا موسیقاروں کا ایک گروہ زندگی کے گٹار پر گیت گا رہے ہیں:

وہ جُوئے کُہستاں اُچکتی ہوئی
اَٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اُچھلتی، پھِسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نِکلتی ہوئی
رُکے جب تو سِل چِیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چِیر دیتی ہے یہ[۴۳]

شوقی بھی، اس تکنیک میں کامیاب ہوئے، انھوں نے الفاظ کے ذریعے بہار کی ایک حسین تصویر بنائی، جس میں دیہی علاقوں میں آبیاری کا بیان ہے، جہاں پانی کی حرکت اور آواز ایسی ہے جیسے عورت کسی آدمی کے مرنے پر رو رہی ہو اور ماتم کے انداز میں آنسو بہا رہی ہو۔ جیسے اونٹ کو پیٹ میں پانی کی موجودگی کے باوجود پیاس کی شدت کا سامنا ہو۔ ایک وقت میں مشکلات درپیش تو دوسرے وقت آرام میسر۔ اس کے باوجود وہ پابند ہیں۔ اس کے پڑوسی اندھے ہیں، اندھیرا، ظلم اور لاچارگی محسوس کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

پانی کا چشمہ کسی دیہاتی عورت کی فریاد کی طرح معلوم ہوتا ہے جو کسی شخص کی موت پر چیخ رہی ہو۔ یہ رونا اس فرد کے لیے خوف کا باعث ہے جو اس کے غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ اداسی حقیقت نہیں ہے لیکن ان کے یہ آنسو بہت ساری واردات و سانحات کا مجموعہ ہیں۔ یہ آبی گزرگاہیں عورتوں اور پیاسوں کے مماثل ہیں۔ ان کی گردنوں میں یہ آبی گزرگاہیں، تھکاوٹ کی شدت سے پکارتی ہیں، کسی سرگرمی کی صورت میں ہنستی ہیں، جیسے اونٹ سرگرمی اور بدحالی کے درمیان جکڑے ہوئے ہیں، وہ جکڑے ہوئے ہیں، لیکن اندھا پڑوسی پابندیوں کی شدت سے دوچار ہے[۴۴]۔

اقبال کی شاعری میں شراب کا ذکر بہ کثرت موجود ہے۔ یہ روایت زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ مے نوشی کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اقبال نے شراب اور اس سے متعلقہ مضامین مجازی معنوں میں استعمال کیے ہیں کیوں کہ اقبال کی شاعری میں شراب کو ایمان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ساقی سے مراد خالق حقیقی ہے اور نشۂ مے سے مراد اسلامی تعلیمات ہیں۔

اقبال ساقی ازل سے مخاطب ہے کہ اے اللہ ان کمزور اور زبوں حال مسلمانوں کے حال پر رحم کر اور ان کو طاقت دے کر اپنے دشمن پر غالب ہونے کی توفیق عطا فرما۔

اقبال ساقی ازل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ بہار ہمیشہ نہیں رہتی، اس لیے اے اللہ مجھے وہ معرفت عطا کر، وہ تعلیمات عطا کر جس سے ضمیرِ زندگی روشن رہے اور وہ نشہ و جذبہ میرے سینے میں پیدا کر جس سے کائنات میں جوش و خروش ہو۔ وہ جذبہ و تڑپ مجھے عطا کر جو میرے اجداد کے دلوں میں موجود تھا اور جس مقصد کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے، وہ راز مجھ پر افشا کر۔

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز
وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات
وہ مے جس سے ہے مستیِ کائنات
وہ مے جس میں ہے سوزوسازِ ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
اُٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے[۴۵]

شوقی بھی اپنے کلام میں شراب کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ روایتاً مجازی معنوں میں۔مندرجہ ذیل نظم میں شوقی مارچ کے مہینے میں موسم بہار کی آمد کی وجہ سے زندگی میں ایک نئی قسم کی خوب صورتی محسوس کرتا ہے اور اپنے ساتھی کو اس موسم میں خوش آمدید کہہ رہا ہے جو ایک خوب صورت باغ کا میزبان ہے۔ وہ اس باغ میں اکثر اپنے پیاروں سے ملاقات کرتے ہیں۔ اپنے ساتھی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں تمام دوستوں کو سیر و تفریح کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ تمام دوست میرے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اس خوب صورت موسم سے لطف اٹھائیں۔ یہ لمحات ہر وقت میسر نہیں ہوتے اس لیے ان کو ضائع نہ کریں۔ خوب صورت پھولوں کے درمیان بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور مختلف دھنوں سے مسرور ہوتے جاتے ہیں۔ میں نے یہاں صرف ان دوستوں کی دعوت کی جو درخشندہ ستاروں کی طرح عالی وقار ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> مارچ کا مہینہ آیا ہے۔ بہار اس کے ساتھ آئی ہے۔ میرے دوست، بہار میں خوش آمدید۔ بہار جان کی جنت ہے۔ اس کے جھنڈ کے نیچے تفریحی اور ناچنے والے دوستوں کو جمع کر کے کہتا ہوں: اپنے آپ کو ان تفریحی لمحوں کی لذت سے محروم نہ رکھیں۔ یہ لمحے ہر وقت دستیاب نہیں ہوتے۔ آؤ کھلے پھولوں کے بیچ بیٹھتے ہیں۔ شراب کی موجودگی میں

خوب صورت دھنوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ میں نے آپ کو ان تمام دوست احباب میں سے منتخب کیا جن کے چہرے چمکتے ہوئے ستاروں کی مانند ہیں[۴۶]۔

اقبال اور شوقی کے درمیان مشترک عناصر

۱۔ **نظم کے الفاظ کی ہم آہنگی:** بیشتر نقاد نظم میں ہم آہنگی اور موسیقیت کے لیے الفاظ کے انتخاب پر زور دیتے ہیں۔ نظم میں اس عنصر کے فقدان سے اس کی خوب صورتی ختم ہو جاتی ہے۔ نظم میں روانی اور موسیقیت کی مثال ایسی ہے کہ پہاڑ سے مسلسل پانی کا بہاؤ ہو اور میٹھے سُر بھی پیدا ہو جائیں۔ کلام میں ثقیل الفاظ کے استعمال سے اجتناب ضروری ہے۔ یہی خصوصیات اقبال کی شاعری میں موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

فضا نِیلی نِیلی، ہوا میں سُرور
ٹھہَرتے نہیں آشیاں میں طیُور
وہ جُوئے کُہستاں اُچکتی ہوئی
اَٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اُچھلتی، پھسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نِکلتی ہوئی[۴۷]

شوقی کے کلام میں بھی اقبال کی طرح الفاظ کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے کلام میں نوجوان اور موسم بہار میں موجود تازگی کو مماثل قرار دیتے ہوئے موت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہے کوئی پھول بغیر گناہ کیے دنیا سے رخصت ہو جائے۔ شوقی کہتے ہیں:

موسم بہار مجھے اپنی جوانی کے دنوں کی یاد دلاتا ہے، جو اپنی جیورنبل اور خوب صورت یادوں کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ ایک ایسے پھول کی مانند ہے جو جلدی سے بغیر کسی جرم کے مرجھا گیا[۴۸]۔

لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہترین ہم آہنگی وہی ہے جس میں الفاظ شعوری کوشش کے بغیر شاعر کے ذہن میں آئیں۔ یہ صفت فطرت کی عطا کردہ ہے۔

۲۔ **رنگوں کا استحکام:** فطرت کے بیان کے لیے رنگین بیانی اور خوب صورتی اہم عناصر شمار ہوتے ہیں۔ شاعر خوب صورتی کو بیان کرنے کا اک جذبہ اور ادراک دل میں لیے بیٹھا ہے۔ شاعر فطرت کی عکاسی کرتے وقت الفاظ کے ذریعے ایسے مرقع پیش کرتا ہے جن میں فطرت کی خوبیاں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ شاعر ذاتی تجربے، تاریخی شعور، تنقیدی نظر، فنی دلچسپی اور مشاہدات کے ذریعے الگ الگ رنگوں کا ذوق رکھتا ہے جو بسا اوقات ان کی پہچان بن جاتی ہے۔ ان خوبیوں کی بنا پر مرقع کشی صرف علم کا ذریعہ نہیں بلکہ تخلیقیت اور آزادئ رائے کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے[۴۹]۔ ملاحظہ ہو:

گُل و نرگس و سَوسن و نسترن
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھُپ گیا پردۂ رنگ میں
لہُو کی ہے گردش رگِ سنگ میں[۵۰]

جیسا کہ ایک دوسری نظم میں رنگ کے مرکبات ظاہر ہوتے ہیں:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مُرغِ چمن
پھُول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن[۵۱]

احمد مختار عمر کے مطابق:

> سرخ رنگ، سورج کی چمک، آگ اور گرمی کی شدت، روشنی اور شعاع کی طوالت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ خوشی کا رنگ ہے۔ سرور کا رنگ ہے۔ سرخ رنگ اقتدار، زندگی اور تحریک کا مثبت نشان ہے[۵۲]۔

یہاں سرخ رنگ خوشی و سرمستی کا نشان ہے۔ زندگی میں حرکت و عمل کا نشان ہے۔ ان رنگوں میں نیلے اور پیلے رنگ کا بھی تذکرہ ہے۔ نیلا رنگ وقار، استحکام، سکون اور حکمت و دانائی کی علامت ہے۔ نیلے رنگ کے اور بھی کئی مطالب اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ اگر یہ گہرا نیلا (بینگنی) ہو تو کراہت اور نفرت کی علامت ہے۔ ہلکا نیلا رنگ پانی اور آسمان سے مشابہ ہے جو آرام دہی اور سردی کے اظہار کے لیے موزوں ہے[۵۳]۔

پیلا رنگ ایک چمک دار رنگ ہے۔ یہ سورج کی سرخی کا ایک ذریعہ ہے جو روشنی اور زندگی کی علامت ہے۔ قدیم مصریوں نے اسے سورج دیوی کی علامت کے طور پر استعمال کیا تھا لیکن دوسری جانب یہ ایک منفی علامت بھی ہے۔ اسے بیماری کا رنگ بھی تصور کیا جاتا ہے۔ یہ خشک صحرا اور مردہ فطرت سے بھی منسوب ہے[۵۴]۔

یہاں ایک مثبت اشارہ ہے کہ ایسا رنگ نظر آنے والوں کے لیے خوش کن ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی فرماتا ہے:

صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ[۵۵]

ترجمہ: زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو[۵۶]۔

شوقی بھی نظمیں تخلیق کرتے وقت ایسے رنگوں کا استعمال کرتے ہیں۔ رنگ زندگی اور وجود کو قدر و منزلت عطا کرتے ہیں جو نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ کیا ہم خود کو کسی خاص رنگ میں دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ اگر زمین اپنے حقیقی رنگ میں دکھائی نہ دے تو ہمیں خوشی محسوس ہو گی؟ شوقی کہتے ہیں:

پہاڑ جسامت میں چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں ۔ان کے رنگ بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ یہاں برف سے ڈھکے سفید پہاڑ ہیں تو دوسری طرف بے شمار پودوں سے ڈھکے سبز پہاڑ ہیں[۵۷]۔

سفید رنگ پاکیزگی، روشنی اور خوشی کی علامت ہے۔ یہ رنگ آرام، امید، نیکی، سادگی اور محبت کی علامت ہے۔

قدیم زمانے میں سفید رنگ رومن دیوتاؤں کے لیے مخصوص تھا۔ اس رنگ کو مقدس مانا جاتا تھا۔ ان دیوتاؤں کے لیے سفید جانوروں کو قربان کیا گیا تھا۔ عیسائی مذہب میں بھی سفید لباس کو عام طور پر مقدس مانا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رنگ گناہ سے پاک ہونے اور پاکیزگی کی علامت ہے۔قدیم مصر میں فرعون سفید تاج پہنتا تھا۔ یہ ان کے لیے اس بات کی علامت تھی کہ وہ امن، آرام اور سکون کی زندگی گزار رہے ہیں[۵۸]۔

سبز رنگ امید، بخشش اور خوشی سے منسلک ہے۔ تکالیف اور امتحانات سے بچنے کی علامت ہے۔ سبز رنگ تمام رنگوں میں سب سے واضح اور مستحکم رنگ ہے۔ یہ رنگ فطرت کے رنگوں میں انتہائی اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پودوں اور قیمتی پتھروں کو رنگ سبز ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی عقائد میں بھی اس رنگ کی بہت اہمیت ہے۔ یہ رنگ زراعت سے بھی منسلک ہے۔ یہ رنگ خوشی اور محبت کی علامت سمجھی جاتی ہے[۵۹]۔

اقبال اور شوقی دونوں کی شاعری میں رنگوں کا استعمال ایک خاص مقصد کے لیے ہے۔ اس میں ایک خاص معنی پوشیدہ ہے۔ یہ دو عظیم شاعروں کے ثقافتی پس منظر سے متعلق بھی ہے۔

۳۔ **وجود کی شاعری:** اک ایسے وقت میں جب اقبال اور شوقی شاعری کر رہے تھے جب ارد گرد پورا ماحول ان کے خلاف تھا۔ انگریزوں کی استعماریت، غربت، پسماندگی سمیت کئی دوسرے مسائل ہم وطنوں کو درپیش تھے۔ ایسے دور میں ان عظیم شعرا کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے بہترین وسیلہ شعر گوئی نظر آیا۔ ان کی شاعری الفاظ کی ہیرا پھیری نہیں بلکہ ایک مجسم اور متحرک شاعری ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

برگِ گُل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن[۶۰]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال نے زندہ تصویر کشی کی ہے۔ ان مرقعوں میں اقبال کا تخیل بھی شامل ہو کر ہم تک پہنچ رہا ہے۔ ہم یہ مرقع بہ الفاظ اقبال ان کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ان باغات میں موجود ہیں اور اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہ ان کا جمالیاتی نقطہ نظر ہے۔ اس مرقع میں پھولوں، شبنم اور سورج کی کرنوں کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ تمام عناصر ایک نیا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اردو شاعری میں ایک نئی تخلیقی جہت کا اضافہ کیا۔

شاعری میں ہم اپنی موجودگی اور عدم موجودگی بھی دیکھتے ہیں۔تخلیق کی ابتدا اور آدم یعنی انسان کے باپ کی ظاہری شکل وصورت کے بارے میں منطقی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ محدود اور مطلق کے درمیان بات چیت میں گردش کی تحریک پیدا کر رہے ہیں۔ اقبال سمفونی، شوقی سمفونی کے ساتھ مداخلت کرتی ہے۔شوقی کہتے ہیں:

> ننھے دریا اور ہوا کی حرکت، پودوں کے تنوں کے پیچھے الجھتی شاخوں کے درمیان پرندوں کی آواز کے مابین ہم آہنگی موجود ہے۔ ہر پھول دوسرے پھول سے مختلف خوشبو کا حامل ہے۔ بہت سی لڑکیوں کی طرح جنھوں نے شادی میں شرکت کی، آسمان اور زمین کے مابین یہ ہم آہنگی بہار کی خوب صورتی اور دھنوں کی عکاس ہے[۶۱]۔

ایک سمفنی (symphony) اور ہے۔ جہاں لہر، ہوا، سبزوں اور پرندوں کی آواز ہے۔ آسمان میں اس سمفنی کی گنجائش، بہار اور اس کی خوشبو کی مہک پھیلتی ہے۔ اس نظم میں شوقی یہ ثابت کرتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہم آہنگی موجود ہے اور یہ ہم آہنگی دونوں حصوں کے درمیان ہے جہاں وہ وجود کی دو اطراف کے طور پر نمایاں ہے۔

اقبال اور شوقی نے فن کی آزادی، تخیل کی کارفرمائی اور فطرت کو پیش کرنے میں ایک مربوط نظام پیش کیا۔ ان کا کلام وطن سے محبت، تہذیب وثقافت کا فروغ اور غیر ملکوں کی تہذیب وثقافت سے بچنے کا منبع ہے۔قوم کی ترقی ان کی شاعری کا اصل مقصد ہے۔ ان کی شاعری میں قومیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ یہ عناصر درحقیقت شاعر کے اپنے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ اقبال اور شوقی نے فطرت کی آواز کے ذریعے اپنے تمام تر مقاصد حاصل کرنے میں بڑی حد کامیابی حاصل کی۔وہ انسان کو درپیش خدشات اور مایوسیوں کو بھی فطرت کا لبادہ پہنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ انھوں نے الفاظ کو نئے معانی دیے۔ نئے الفاظ متعارف کرائے۔ اسی بنا پر دونوں شعرا جدید شاعرانہ اسلوب کے حامل ٹھہرتے ہیں۔جس کا مقصد خود کو ظاہر کرنا، اخلاقیات اور حقیقی جذبات کا اظہار کرنا تھا۔ دونوں شاعروں نے اپنے ماحول سے وابستہ فطرت کے عناصر کی ترجمانی کی۔ دونوں نے اپنے طرزِ خاص کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اقبال کی شاعری میں معنوی گہرائی اور ایک خاص فلسفہ بھی موجود ہے جس کی وجہ سے اقبال کو شوقی پر سبقت حاصل ہے۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ: ۱۹۸۲ء) لیکچرار، شعبۂ اردو، جامعہ الازہر، قاہرہ۔

۱۔ عبد العزیز الدسوقی، مدرسة البعث وأثرها في الشعر الحديث، (قاہرہ: الھیئة المصریة العامة للکتاب، ۱۹۹۹ء)، ۱۱-۲۳۔

۲۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو مع تعلیقات، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۹ء)، ۵۵۲۔

۳۔ سامی خشبة، مفكرون من عصرنا (قاہرہ: مکتبہ اسرہ، ۲۰۰۸ء)، ۵۲۔

۴۔ عبد العزیز الدسوقی، مدرسة البعث وأثرها في الشعر الحديث، ۱۵۶۔

۵۔ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک (نئی دہلی: مظہر پبلی کیشن، ۲۰۰۵ء)، ۴۰۔

۶۔ الطاف حسین حالی، مقدمۂ شعر و شاعری (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۳ء)، ۱۰۲۔

۷۔ ایضاً، ۱۰۲۔

۸۔ جودت الرکابی، الطبيعة في الشعر الأندلسي (دمشق: الشرقی پبلی کیشن، ۱۹۷۰ء)۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ شوقی ضیف، تاريخ الأدب العربي: العصر الأسلامي (قاہرہ: دار المعارف)، ۳۷۵۔

۱۱۔ ابو الحسن الندوی، آرٹس کالج، قاہرہ یونیورسٹی میں ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء کو ایک لیکچر، مشمولہ: روائع اقبال (دمشق: دار الفکر، ۱۹۶۰ء)، ۳۷۔

۱۲۔ ایضاً، ۳۷۔

۱۳۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۲۰۰۸ء)، ۶۶۸۔

۱۴۔ ایضاً، ۶۶۸۔

۱۵۔ ایضاً، ۷۰۲۔

۱۶۔ ایضاً، ۶۹۳۔

۱۷۔ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ۱۵۶۔

۱۸۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ۵۹۳-۵۹۴۔

۱۹۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ۱۴۵۔

۲۰۔ محی الدین صالح، الشعر علی ألسنة الحيوان (ادب الاطفال من منظور اسلامي)
مزید معلومات کے لیے دیکھیے: www.alukah.net

۲۱۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ۱۶۷۔

۲۲۔ ایضاً، ۱۶۴۔

۲۳۔ ایضاً، ۱۲۰۔

۲۴۔ ایضاً، ۱۱۶۔

۲۵۔ احمد شوقی، شوقیات (قاہرہ: المجلس الاعلی للثقافة، ۲۰۰۷ء)، ت: محمد عبد المطلب، جلد ۱، حصہ دوم، ۳۶۔

تلك الطبيعةُ؛ قِف بنا يا ساري   حتى أُريكَ بديعَ صُنعِ الباري

الأرضُ حولك والسماءُ اهتزَّتا   لروائع الآياتِ والآثار

من كل ناطقةِ الجلال، كأَنما   أُمُّ الكتاب على لسان القارى
دَلَّتْ على مَلِكِ الملوكِ، فلم تَدَعْ   لأدِلَّة الفقهاءِ والأَحبار
مَنْ شَكَّ فيه فنظرةٌ في صُنْعِه   تمحو أَثيمَ الشكِّ والإنكار

۲۶۔ *بولویا*(Parc de Belleville) *پیرس کا ایک مشہور پارک ہے۔*

۲۷۔ *احمد شوقی*، شوقیات، ۲۶۶-۲۶۷۔

قفی يا اخت يوشع خبرينا   أحاديث القرون الغابرينا
وقصي من مصارعهم علينا   ومن دولاتهم ما تعلمينا
فمثلك من روى الأخبار طرا   ومن نسب القبائل أجمعينا
نرى لك في السماء خضيب قرن   ولا نحصي على الأرض الطحينا
مشيت على الشباب شواظ نار   ودرت على المشيب رحى طحونا
تعينين المولد، والمنايا   وتبنين الحياة وتهدمينا
فيالك هرة أكلت بنيها   وما ولدوا، وتنتظر الجنينا...!!

۲۸۔ *ایضاً*، ۳۱۔

تهز الوجود تباشيرها   كما هز من والديه الوليد
ويغشى الدنا من جلال سنى   أضاء لنا كل حال نضيد
من النار... لكن أنوارها   إلهية زُينت للعبيد
هي الشمس كانت كما شاءها   ممات القديم، حياة الجديد
ترد المياه إلى جسمها   وتبلى جبال الصفا والحديد
وتطلع بالعيش أو بالردى   على الزرع: الحصيد..

۲۹۔ *ایضاً*، ۲۷۔

يا غاب بولون، ولى   ولى ذمم عليك، ولي عهود
زمن تقضى للهوى   ولنا بظلك، هل يعود؟
حلم أريد رجوعه   ورجوع أحلامي بعيد
وهَب الزمانَ أَعادَها   هل للشبيبة من يعيد؟
يا غاب بولون، وبي   وجْد مع الذكرى يَزِيدْ

۳۰۔ *ایضاً*، ۳۳-۳۴۔

حيث الجبال صغارها وكبارها   من كل أبيض في الفضاء وأخضرا
تخذ الغمام بها بيوتاً فانجلت   مشبوبة الأجرام شائبة الذرى
والصخر عالٍ قام يشبه قاعداً   وأناف مكشوف الجوانبِ مُنذرا

بين الكواكب والسحاب ترى له ... أُذُناً من الحجر الأصم ومشفرا

والسفح من أي الجهات أتيته ... ألفيته درجاً يموج مدورا

نثر الفضاء عليه عِقدَ نجومه ... فبدا زبرجده بهن مجوهرا

۳۱۔ *محمد عبدالمطلب*، سلطه الشعر (قاہرہ: *الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب*، ۲۰۰۹ء)۔

۳۲۔ *احمد شوقی*، شوقیات، *جلد دوم، حصہ چہارم*، ۱۲۰۔

أقبِلي كالشمس لم تجعل لها ... موكبًا أو تتخذ من حاشِرين

أقبلي في بحركِ الطامي إذا ... عبثَ السيفُ بموجِ المحتفين

أقبلي كالشمس راقت في الضحى ... ثم راعت في الأصيلِ الناظرين

۳۳۔ *یہ ایک اہم تہوار ہے جس کو مصری فرعونوں نے منایا اور عظیم دریائے نیل سے محبت اور وفاداری کا اظہار کیا، اس یادگار میں انھوں نے سب سے خوب صورت لڑکی کو نیل میں قربانی کی خاطر پھینک دیا۔*

دیکھیے: ابن ایاس، بدائع الزھور فی وقائع الدھور (قاہرہ: *الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب*، ۱۹۸۴ء)۔

۳۴۔ *احمد شوقی*، شوقیات، *جلد اول، حصہ دوم*، ۶۹۔

في مهرجان هزت الدنيا به ... أعطافها، واختال فيه المشرق

فرعون تحت لوائه، وبَنَاتُه ... يَجري بهنّ على السفينِ الزورق

حتى إذا بلغت مواكبُها المدى ... وجرى لغايته القضاءُ الأسبق

وكسا سماء المِهرجان جلالة ... سيفُ المنيّة وهو صلت يبرق

وتلفتت في اليم كل سفينةٍ ... وانثال بالوادي الجموعُ وحدقوا

ألقت إليك بنفسها ونفيسها ... وأتتكَ شقيةً حواها شيق..

۳۵۔ *احمد شوقی*، شوقیات، *جلد اول، حصہ دوم*، ۱۸۰۔

قد سمع الثعلبُ أهل القرَى ... يدعونَ محتالاً بيا ثعلبُ

فقال حقاً هذه غايةُ ... في الفخر لا تُؤتَى ولا تُطلبُ

مَن في النُّهى مِثلي حتى الورَى ... أَصبحتُ فيهم مَثلاً يُضرب

ما ضَرَّ لو وافيتُهم زائراً ... أُريهِمُ فوقَ الذي استغربوا

لعلهم يُحيُون لي زينةً ... يَحضُرُها الديكُ أوِ الأرنب

وقصَدَ القومَ وحياهُم ... وقام فيما بينهم يَخطُب

فأُخِذَ الزائرُ نت أُذنِه ... وأُعطِيَ الكلبَ بِه يلعَب!

فلا تثق يوماً بِذي حيلةٍ ... إذ رُبما ينخَدعُ الثعلب!

۳۶۔ *احمد شوقی*، شوقیات، *جلد دوم، حصہ چہارم*، ۱۸۸۔

هِرتي جِدُّ أَليفهْ ... وهْي للبيتِ حليفهْ

هي ما لم تتحرّكْ دُميةُ البيتِ الظريفه
فإذا جاءتْ وراحتْ زِيدَ في البيتِ وصِيفه
شغْلها الفأرُ تُنقّي الرّ فَّ منه والسَّقيفَه
وتقوم الظُّهرَ والعصرَ بأَوراد شريفه

۳۷۔ ہال کین (Hall Caine۔ ۱۸۵۳ء-۱۹۳۱ء) شوقی کے معاصر اور ایک مشہور انگریزی مصنف تھے۔

۳۸۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ۱۲۲-۱۲۳۔

۳۹۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، ۲۳-۲۴۔

ويقائقُ النّسْرينِ في أَغصانها كالدُرّ رُكّب في صدور رماح
و"الياسَمينُ"، لَطِيفُه ونَقِيّه كسريرة المتنزّه المِسماح
مُتألّقُ خللَ الغصون، كأَنه في بُلجْة الأفنانِ ضوءُ صباح
و"الجُلّنارُ" دمُ على أَوراقِه قاني الحروفِ، كخاتَم السفاح
وكأن مخزونَ "البنفسَجِ" ثاكلُ يَلْقَى القضاءَ بخشية وصلاح
وعلى "الخواطرِ" رِقّةُ وكآبةُ كخواطر الشّعراءِ في الأَتراح
والّسرْوُ في الحِبَرِ السوابغ كاشفُ عن ساقِه كمليحة مِفْراح
و"النخلُ" ممشوقُ العُذُوقِ مُعصّبُ متزينُ بمناطق ووِشاح

۴۰۔ نیلوفر ایک نیلے پھول کا نام ہے جو دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۴۱۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۴۔

وترى الفضاءَ كحائط من مَرْمَرٍ نُضِدَتْ عليه بدائعُ الألواح
الغَيْمُ فيه كالنَّعام: بَدِينةً بركتْ، وأخرى حَلّقتْ بجناح
والشمسُ أَبهى من عروسٍ بُرقعتْ يوم الزَّفاف بعسجَد وضّاح
والماءُ بالوادي يُخالُ مَساربا من زئبق، أو مُلقَياتِ صِفاحِ
بعثتْ له شمسُ النهار أشعّةً كانت حُلى (النّيْلُوفَرِ) السباح
يزهو على ورقِ الغصون نثيرُها زَهْوَ الجواهِرِ في بطون الرّاح

۴۲۔ صبحی الشارونی، موسوعة الفنون الجميلة المصرية في القرن العشرين (مصری لبنانی ہاؤس، ۲۰۱۳ء)، حصہ اول، ۵۲۔

۴۳۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ۱۲۳۔

۴۴۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۴۔

وجرت سواقٍ كالنّوَاداب بالقُرى رُعْنَ الشجيّ بأَنّةٍ ونُوَاح
الشاكياتُ وما عَرَفْنَ صبابةً الباكياتُ بمدْمَع سحّاح
من كلّ باديةِ الضلوع غليلةٍ والماءُ في أحشائها، مِلواح

تبكي إذا رَبَبَتْ، وتَضحكُ إن هَفَتْ   كالعيس بين تَنَشُّط ورَزاح
هي في السلاسل والغلول؛ وجارُها   أعمى، ينوءُ بنيرِه الفدّاح

۴۵۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ۱۲۳۔
۴۶۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۲۔

آذارُ أقبلَ، قُم بنا يا صاحِ   حيّ الربيعَ حديقةَ الأرواحِ
واجمعْ نَدامى الظّرفِ تحت لوائه   وانشرْ بساحتِه بساطَ الرّاح
صفو أُتيحَ، فخذْ لنفسِكِ قِسطَها   فالصفوُ ليس على المدَى بمُتاح
واجلس بضاحكة الرياض مُصَفِّقًا   لتجاوُبِ الأوتارِ والأقداح
واستأْنِسَنّ من السّقاةِ برُفقَةٍ   غُرّ، كأَمثال النجوم، صِباح

۴۷۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ۱۲۲-۱۲۳۔
۴۸۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۲۵۔

إني لأَذكرُ بالربيع وحسنهِ   عهدَ الشباب وطِرفِه المِمراح
هل كان إلاّ زهرةً كزهورِه   عجلَ الفناءُ لها بغير جُناح؟

۴۹۔ حسین نشوان، المعجم اللونی فی شعر عزالدین المناصرة، مشمولہ: افکار (وزارۃ الثقافۃ الاردنیۃ، جولائی ۲۰۰۴ء)، شمارہ ۱۸۹۔
۵۰۔ علامہ اقبال، بالِ جبریل، ۱۲۲۔
۵۱۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ۵۹۳-۵۹۴۔
۵۲۔ احمد مختار عمر، اللغة واللون (قاہرہ: مطبعۃ علام، ۱۹۹۷ء)، اشاعت دوم، ۲۰۱۔
۵۳۔ ایضاً، ۲۰۱۔
۵۴۔ انطوان غطاس کرم، الرمزية والأدب العربي الحديث (بیروت: دار الکشاف، ۱۹۹۴ء)، ۹۴۔
۵۵۔ سورۃ البقرۃ: آیۃ ۶۹۔
۵۶۔ ابو الاعلیٰ مودودی، Quran.com، quran.com/2/69/ur-al-maududi، ۱۵ جون، ۲۰۲۰ء۔
۵۷۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۳۳-۳۴۔

حيث الجبال صغارها وكبارها   من كل أبيض في الفضاء وأخضرا

۵۸۔ احمد مختار عمر، اللغة واللون، ۱۶۳۔
۵۹۔ ایضاً، ۱۶۳۔
۶۰۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ۵۹۳-۵۹۴۔
۶۱۔ احمد شوقی، شوقیات، جلد اول، حصہ دوم، ۱۹۰-۱۹۱۔

رنّم الروضُ جَدولاً ونسيماً   وتلا طيرَ أَيكِهِ غصنُ بانه
وشدَت في الرُّبا الرياحينُ هَمساً   كتغَنِّى الطَّروبِ في وجدانه
كلُّ رَيْحَانةً بلحنٌ كعُرسٌ   أُلِّفَتْ للغناءِ شَتّى قِيانه

نَغَمٌ في السماءِ والأرضِ شتّى　　　　من معاني الربيعِ أو أَلحانه

مآخذ

ابن ایاس۔ بدائع الزھور فی وقائع الدھور۔ قاہرہ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۸۴ء۔

اقبال، علامہ۔ بالِ جبریل۔ لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۰ء۔

______۔ کلیاتِ اقبال۔ لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۲۰۰۸ء۔

الدسوقی، عبد العزیز۔ مدرسہ البعث وأثرھا في الشعر الحدیث۔ قاہرہ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۹ء۔

الرکابی، جودت۔ الطبیعہ في الشعر الأندلسي۔ دمشق: الشرقی پبلی کیشن، ۱۹۷۰ء۔

الشارونی، صبحی۔ موسوعۃ الفنون الجمیلۃ المصریۃ في القرن العشرین۔ مصری لبنانی ہاؤس، ۲۰۱۳ء۔

الندوی، ابو الحسن۔ آرٹس کالج، قاہرہ یونیورسٹی میں ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء کو ایک لیکچر۔ مشمولہ: روائع اقبال۔ دمشق: دار الفکر، ۱۹۶۰ء۔

حالی، الطاف حسین۔ مقدمۂ شعر و شاعری۔ نئ دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۳ء۔

خشبۃ، سامی۔ مفکرون من عصرنا۔ قاہرہ: مکتبہ اسرہ، ۲۰۰۸ء۔

عبد المطلب، محمد۔ سلطہ الشعر۔ قاہرہ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۲۰۰۹ء۔

عمر، احمد مختار۔ اللغۃ واللون۔ قاہرہ: مطبعۃ علام، ۱۹۹۷ء۔

سکسینہ، رام بابو۔ تاریخ ادب اردو مع تعلیقات۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۹ء۔

شوقی، احمد۔ شوقیات۔ قاہرہ: المجلس الاعلی للثقافۃ، ۲۰۰۷ء۔ ت: محمد عبد المطلب۔

ضیف، شوقی۔ تاریخ الادب العربی: العصر الاسلامی۔ قاہرہ: دار المعارف۔

کرم، انطوان غطاس۔ الرمزیۃ والأدب العربي الحدیث۔ بیروت: دار الکشاف، ۱۹۹۴ء۔

مظہری، کوثر۔ جدید نظم: حالی سے میراجی تک۔ نئ دہلی: مظہر پبلی کیشن، ۲۰۰۵ء۔

مودودی، ابو الاعلی، ترجمہ قران مجید۔ لاہور: ادارہ ترجمان القران، جون ۲۰۰۹ء۔

نشوان، حسین۔ المعجم اللونیفی فی شعر عزالدین المناصرۃ۔ مشمولہ: افکار۔ وزارۃ الثقافۃ الاردنیۃ، جولائی ۲۰۰۴ء۔ شمارہ ۱۸۹۔